دفاع سنت کالم

ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی
شارح ترمذی و ابن ماجہ

سورۃ فاتحہ خلف الامام

اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کوانسان کی رشدوہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ لیکن ''بعض الناس'' قرآن وحدیث کے مقابلے میں آراء الرجال کو ترجیح دیتے ہیں اور جب وہ ان آراء کو قرآن وحدیث کے خلاف دیکھتے ہیں تو بجائے آراء الرجال کو چھوڑ کر قرآن وحدیث پر عمل کرنے کے وہ قرآن وحدیث کی تاویلات کرتے ہیں یا اُس کا انکار کرنے کے لیے قرآن وحدیث پر اعتراضات کر کے اُن کی اہمیت کو کم کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں طائفہ مقلدین کے آرگن ''ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ'' میں ایک مضمون بعنوان ''اسوہ خیر الانام فی ترک قرات خلف الامام'' ستمبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ جس میں کذب بیانی کرتے ہوئے عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ فضیلۃ الشیخ علامہ محمد یحییٰ گوندلوی حفظہ اللہ تعالیٰ شارح جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ نے اس مضمون کا تفصیلی تجزیہ ارسال فرمایا۔ جس میں مضمون نگار کے تمام اعتراضات کا مسکت ومدلل رد بیان فرمایا۔ لیکن بوجہ مجلّہ ترجمان الحدیث کی اشاعت موخر ہونے کی وجہ سے وہ مضمون اب ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔ ہم حضرت گوندلوی حفظہ اللہ تعالیٰ کے لیے دعاگو ہیں اور قارئین سے بھی درخواست کرتے ہیں وہ حضرت شیخ گوندلوی کی صحت وسلامتی کے لیے دعا گو رہیں تاکہ وہ آئندہ بھی خوش اسلوبی سے دفاع سنت کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔

(ادارہ)

مجلّہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ شمارہ ستمبر ۲۰۰۶ء میں ''اسوہ خیر الانام فی ترک قرات خلف الامام'' کے عنوان سے ایک مضمون طبع ہوا ہے۔ مضمون نگار مولانا امجد سعید صاحب ہیں۔ موصوف نے اس مضمون کے لکھنے کا پس منظر یوں رقم کیا ہے فرماتے ہیں کہ ''احناف اہل سنت والجماعت کے دفاع میں ہم نے کالم لکھنے شروع کیے ہیں۔ صفحہ ۴۹''

ان کے خیال میں اہل حدیث حضرات احناف پر طعن کرتے ہیں کہ ان کے پاس دلائل نہیں ہیں۔ اس طعن کا دراصل یہ جواب ہے۔ موصوف نے اپنے مضمون کی جو تمہید باندھی ہے اس کا نفس موضوع سے تو کوئی تعلق نہیں اور پھر جو انداز اختیار کیا ہے وہ نہایت سطحی ہے جس کے رد کی ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ تمہید کا اجمالی جواب یہ ہے کہ موصوف ذرا ہمت کر کے علماء احناف (جن میں لدھیانہ اور دیوبند کے کثیر تعداد علماء شامل ہیں) کے اہل حدیث کے بارہ میں نظریات ملاحظہ فرمائیں۔ زیادہ کتابوں کے اوراق گردانی کی ضرورت نہیں صرف ''جامع الشواہد'' اور ''انتظام المساجد'' کا مطالعہ فرمالیں کہ تقلید کے ان بادہ خواروں نے کتاب وسنت پر عمل کرنے والوں کے بارہ میں کیا کیا مفروضے قائم کیے ہیں اور ان پر کیسے کیسے فتوے لگائے ہیں اور ان کو کن کن الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔

غیر مقلد

زمانہ سلف میں لفظ غیر مقلد بطور اصطلاح کے کبھی اہل علم میں متداول اور معروف نہیں تھا۔ ہاں البتہ تقلید کو جہالت کی علامت سمجھ کر مقلد کو جاہل اور عامی کہا جاتا تھا۔ لیکن برصغیر میں اسی عار کو جب فخر کے طور پر اپنایا گیا تو وہ لوگ (اشربوا فی قلوبھم التقلید) جنھوں نے تقلید اور جہالت کو ہی اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا تو انھوں نے اس کے متوازی غیر مقلد کی اصطلاح وضع کی اور اسے بطور طعن کے استعمال کیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہتے تھے۔

موصوف گرامی نے بھی اپنے اس مضمون میں اسی طرزِ عمل کو اپنایا ہے۔ حالانکہ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ جس امام کی تقلید کا یہ دم بھرتے ہیں اور اس تقلید کی خاطر کتاب و سنت کی نامناسب تاویلات کر جاتے ہیں، وہ قبل از اجتہاد اور بعد از اجتہاد ہر دو حالتوں میں غیر مقلد تھے۔ کبھی انھوں نے تقلید کی نہ حمایت کی ہے اور نہ خود کسی کی تقلید کی ہے۔ اسی طرح ان کے دونوں نامور شاگرد قاضی ابو یوسفؒ اور محمد بن حسنؒ نے بھی اپنے استاد کی تقلید نہیں کی بلکہ کھل کر مخالفت کی ہے۔

قاضی ابو یوسف کی اپنے استاد سے مخالفت تو شاید اس سے بڑھ کر ہو جتنی کہ مخالفت امام مالک اور ابو حنیفہ کے مابین ہے۔ اگر غیر مقلد ہونا طعن ہے تو یہی طعن تمھارے ائمہ ثلاثہ پر آتا ہے۔ بلکہ یہ طعن موصوف مضمون نگار پر بھی ہے اس لیے کہ مقلد تو دلائل تلاش نہیں کر سکتا اس کے لیے تو صرف اس کے امام کا قول ہی مستند اور حجت ہوتا ہے۔ (مسلم الثبوت صفحہ ۴۵)

تو انھوں نے اپنے زعم میں اس مضمون میں اتنی تحقیق پیش کر دی ہے جتنی کہ اس موضوع کی تفصیل امام ابو حنیفہ سے بھی مہیا نہیں ہو سکتی گویا کہ یہ مقلد ہو کر تحقیق میں اور دلائل کے اثبات اور جمع کرنے میں اپنے امام سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی اصطلاحی غیر مقلد ٹھہرے جو ان کے ہاں قابل طعن ہے۔

موصوف کا موقف

موصوف لکھتے ہیں جب اکیلے نماز پڑھیں تو قرات کرنا اور سورت فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور یہی حکم ہر جماعت کی نماز میں امام کے لیے بھی ہے۔ (صفحہ ۴۹ بلفظہ)

موصوف نے اپنا یہ مضمون حنفیت کے دفاع میں لکھا ہے اور خود کو وکیل حنفیت کے طور پر پیش کیا ہے۔ لیکن ان کو یہ علم نہیں کہ میں جس عنوان پر لکھ رہا ہوں اس بارہ میں اکابر احناف کا کیا موقف ہے؟ وکیل حنفیت نے اپنا موقف یہ پیش کیا ہے کہ منفرد اور امام کے لیے سورۃ فاتحہ واجب ہے۔ حالانکہ جن کی طرف سے یہ بطور وکیل پیش ہوئے ہیں۔ ان کا موقف ہی اس موقف سے مختلف ہے جو موصوف نے پیش کیا ہے۔ احناف کے سرکردہ پیشوا امام محمد بن حسنؒ فرماتے ہیں:

”السنة ان تقرأ في الفريضة في الركعتين الاوليين بفاتحة الكتاب و سورة وفي الاخريين بفاتحة الكتاب وان لم تقرأ فيهما اجزاك وان سبحت فيهما اجزاك وهو قول ابي حنيفة رحمه الله“ (موطا محمد صفحہ ۱۰۴)

سنت یہ ہے کہ تو فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی ایک سورت پڑھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورت فاتحہ پڑھے اور اگر تو ان دو رکعتوں میں کچھ بھی نہ پڑھے تو تجھے کافی ہے اور اگر سبحان اللہ کہہ دے تو تب بھی کافی ہے اور یہ ابوحنیفہ کا قول ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو چار رکعتی نماز کی آخری دو رکعتوں میں نہ امام کے لیے اور نہ منفرد کے لیے سورت فاتحہ پڑھنی واجب ہے بلکہ اگر نمازی ان دو رکعتوں میں کچھ بھی نہ پڑھے تو نماز درست ہے اور اگر سورت فاتحہ کی جگہ سبحان اللہ کہہ دے تو تب بھی کافی ہے۔ علامہ مرغینانی حنفی فرماتے ہیں:

”ومن قرء في العشاء في الاوليين السورة ولم يقرأ بفاتحة الكتاب لم يعد في الاخريين“ (ہدایہ مع فتح القدیر صفحہ ۲/۲۸۶)

جو شخص عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں کوئی سورت پڑھتا ہے اور فاتحہ نہیں پڑھتا تو وہ دوسری دو رکعتوں میں بھی سورت فاتحہ نہ پڑھے۔ یہ ابوحنیفہ اور محمد کا قول ہے۔

دراصل احناف کے نزدیک نماز کی قرات میں کسی سورت کے پڑھنے کا تعین نہیں ہے۔ اس بناء پر تو مذکورۃ الصدر عبارت میں نمازی کو کسی بھی رکعت میں فاتحہ کے نہ پڑھنے کی چھوٹ دی ہے۔ صاحب ہدایہ ہی ناقل ہیں۔

”وليس في شيء من الصلوات قراة سورة بعينها وقال ويكره ان يوقت بشيء من القرآن بشيء من الصلوت“ (ہدایہ مع الفتح صفحہ ۲۹۳ جلد ۱)

نماز میں کسی سورت کا تعین درست نہیں۔ بلکہ یہ مکروہ ہے کہ نماز میں کسی سورت کی قرات متعین کی جائے۔ اگر کوئی یہ اعتراض اٹھائے کہ اس سے مراد سورت فاتحہ کی قرات کے علاوہ کوئی دوسری سورت ہے تو راقم کہتا ہے من القرآن کا لفظ اس اعتراض کو ختم کر دیتا ہے۔ کیونکہ سورت فاتحہ بھی قرآن کریم میں سے ہے۔ جب انھوں نے من القرآن مطلقاً کہا ہے تو اس سے سورت فاتحہ کیسے خارج ہو گی جبکہ فاتحہ کی تخصیص کی یہاں کوئی دلیل بھی موجود نہیں۔ صاحب عنایہ فرماتے ہیں **”واما البيان فلان معنى الاولى ليس في شيء من الصلوت مطلقا تعيين قراة سورة بعينها لا تجوز الصلوة بغيرها وهو احتراز عن مذهب الشافعي فانه عين قراة الفاتحة لجواز الصلوة كلها وقال لا تجوز الصلوة بغيرها من السورة قلنا انه باطل“** (العنایہ برحاشیہ فتح القدیر صفحہ ۲۹۳ جلد نمبر ۱۲)

ملخصاً مفہوم یہ ہے کہ نماز میں قرات کے لیے کسی سورت کا تعین درست نہیں کہ یہ خیال کیا جائے کہ اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ دراصل شافعی کے مذہب سے احتراز کیا گیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں تمام نمازوں کے درست ہونے کے لیے سورت فاتحہ کی شرط لازم ہے تو ہم کہتے ہیں شافعی کا یہ موقف باطل ہے۔

معلوم ہوا کہ وکیل حنفیت کا اس بارہ میں وہ موقف نہیں ہے جو انھوں نے بیان کیا ہے کہ امام اور منفرد کے لیے سورت فاتحہ واجب ہے۔ بلکہ اکابر احناف کے نزدیک جن کے اقوال پر حنفیت کا دارومدار ہے مطلقاً ہر ایک نمازی خواہ امام ہو یا منفرد کی نماز سورت فاتحہ پڑھے بغیر درست ہے، خواہ وہ چاروں رکعتوں میں سے ایک رکعت میں بھی سورت فاتحہ نہ پڑھے۔ موقف تو احناف کا یہی ہے جس سے سرموانحراف ممکن نہیں۔ لیکن صاحب مضمون اور ان کی طرح کے اور متعدد وکلاء حنفیت اس کو عوام سے چھپاتے ہیں اور بالفعل اس بارہ میں حنفی اقوال کی تردید کرتے ہیں۔ لہٰذا موصوف سے گزارش ہے کہ وہ پہلے اکابر کے موقف کی تنقیح کریں تاکہ ان اقوال کو متواتر احادیث کی مخالفت سے بچا سکیں اور پھر اس موضوع پر رقمطرازی فرمائیں۔

انصات اور استماع کا معنی

وکیل حنفیت لکھتے ہیں:

البتہ امام کے پیچھے مقتدی سری اور جہری نمازوں میں بالکل خاموش رہیں گے اور امام کی قرات کی طرف توجہ دیں گے خواہ آواز آ رہی ہو یا نہ۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے ﴿**واذ اقرى القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون**﴾ جمہور اہل اسلام کا بیان ہے کہ اس آیت میں مسئلہ قرات خلف الامام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (صفحہ ۴۹)

اولاً: ہم کہتے ہیں اس آیت کا نماز کی قرات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ نماز تو بذات خود قرات اور خصوصاً سورت فاتحہ کا نام ہے۔ (مسلم، ص ۱۷۰، ج ۱)

بھلا جو خود قرات ہے اسے اس کی اصلیت سے منع کیا جا سکتا ہے؟ جب نماز میں نماز (قرات) نہ ہو تو وہ نماز کیسی؟

ثانیاً: یہ آیت کریمہ قطعاً حنفی موقف کے مطابق نہیں اس لیے کہ اس میں استماع کا ذکر ہے جس کا اصل سمع ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں **”السمع قوة في الاذن به يدرك الاصوات“** (المفردات، ص ۲۴۲)

سمع کان میں وہ قوت ہے جو آواز کو پاتی ہے اور استماع کے بارہ میں فرماتے ہیں **”الاستماع**

الاصغاء'' (المفردات' ص ۲۴۳)

آواز کے سننے کے لیے کان کو جھکانا استماع ہے۔ آواز سننے کے لیے کان اسی وقت جھکایا جاتا ہے جب آواز سننی مقصود ہو۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر استماع کے لفظ کو عموماً اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں:

﴿الـذین یستمعون القول فیتبعون احسنه ﴾ (الزمر:۱۸)

''میرے ان بندوں کو خوشخبری سنادو۔''

جو بات سنتے ہیں اور پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔

اگر بالفرض اس آیت کا تعلق نماز کی قرات سے تسلیم کر لیا جائے۔ (جو ہے نہیں) تو تب بھی موصوف نے جو مقتدی کے لیے موقف بیان کیا ہے کہ خواہ ''آواز ہو یا نہ ہو مقتدی خاموش رہے'' کے مخالف ہے۔ گویا کہ احناف نے آواز نہ ہو کو بھی اس میں شامل کر کے آیت کی مخالفت کی ہے۔

احناف میں بہت سے حضرات استماع کا معنی غور وفکر کرتے ہیں۔ غالباً یہی رجحان صاحب مضمون کا ہے۔ اگر اس معنی کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی یہ آیت کریمہ احناف کے حق میں نہیں ہے بلکہ خلاف ہے۔ اس لیے کہ غور وفکر اسی چیز میں ہوتا ہے جو یا تو سنی جائے یا مشاہدہ میں ہو۔ جب امام کی قرات سنی نہ جائے گی تو اس پر غور کیسے ہو گا۔ لہٰذا استماع کا لفظ اس کا متقاضی ہے کہ اس سے مراد وہ قرات ہے جو سنی جا رہی ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کا احناف کے موقف سے کوئی تعلق نہیں۔

ثالثاً: اس آیت میں وہ کون سا جملہ ہے کہ جس کا معنی یہ ہو کہ سننے والا خود نہ پڑھے۔ اگر کہا جائے کہ انصات کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ قرات کے وقت خاموشی اختیار کی جائے تو ہم کہتے ہیں انصات دل میں قرات کے منافی نہیں۔ اس لیے کہ انصات قرات کی ضد نہیں کہ ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی لازم آئے۔ بلکہ انصات کے ہوتے بھی دل میں قرات درست ہے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((من توضا فاحسن الوضوء ثم اتی الجمعة فاستمع وانصت غفرله ما بینه وبین الجمعة وزیادة ثلاثة ایام)) (مسلم' ص ۳۴۵' دارالسلام)

اس حدیث مبارکہ میں بھی وہ دو لفظ استماع اور انصات ہیں۔ جن سے واضح ہے کہ دوران خطبہ جمعہ استماع اور انصات ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص دوران خطبہ مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہو سلم نے اس سے دریافت فرمایا: اے فلاں شخص! کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟ وہ کہنے لگا نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **((قم فارکع وفی روایة فصل رکعتین))** (بخاری' ص ۳۵۱' دارالسلام۔ مسلم' حدیث ۲۰۱۸ تا ۲۰۲۴)

''کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھو۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اذا جاء احدکم یوم الجمعة والامام یخطب فلیرکع رکعتین)) (مسلم' ح ۲۰۲۴' ص ۳۵۱)

''جب تمھارا کوئی ایک دوران خطبہ آئے تو وہ دو رکعتیں پڑھے۔''

ان صحیح احادیث سے واضح ہے کہ انصات دل میں قرات کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ نمازی نے نماز میں قرات بھی کرنی ہے' رکوع اور سجدہ کی تسبیحات بھی پڑھنی ہیں اور تشہد کی دعائیں بھی پڑھنی ہیں۔ اگر انصات دل میں پڑھنے کے منافی ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ خطبہ آنے والے شخص کو دو رکعتوں کے پڑھنے کا حکم نہ فرماتے اور یہی دل میں پڑھنے کا معنی حنفی اقوال کی روشنی میں بھی درست ہے۔ جیسا کہ ان کے ہاں ہے کہ دوران خطبہ اگر خطیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا تو سننے والا اپنے دل میں درود پڑھے۔ (البحر الرائق ص ۱۵۶' ج ۲ ودیگر عام کتب حنفیہ)

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

''والصحیح ان یقول فی نفسه فذلک لا یشغله عن الاستماع'' (المبسوط ص ۸۳' ج ۲)

''اسم مبارک سننے والا اپنے دل میں درود پڑھے تو ایسے کرنا اس کو استماع سے مشغول نہیں کرتا۔''

ثناء کا پڑھنا

اسی طرح بعض کتب حنفیہ میں یہ مسئلہ بھی مصرح ہے کہ اگر امام قرات کر رہا ہے تو بعد میں شامل ہونے والا نمازی اپنے دل میں **سبحانک اللھم** پڑھے گا۔

اذا ادرک الامام فی الفاتحة یثنی بالاتفاق (منیة المصلی ص ۳۰۴)

مسبوق جب امام کو سورت فاتحہ پڑھتے پائے تو بالاتفاق ثناء پڑھے اور یہ **واذا قری القرآن** کے منافی نہیں ہے۔ اگر دل میں پڑھنا انصات کے منافی ہوتا تو فقہاء احناف امام کی قرات کے وقت مقتدی کو درود اور ثناء پڑھنے کی اجازت نہ دیتے۔

آیت و اذاقری اور جمھور اہل اسلام

وکیل حنفیت کا یہ فرمانا کہ جمھور اہل اسلام کا بیان ہے کہ اس آیت میں قرأت خلف الامام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔'' مبالغہ آرائی سے خالی نہیں۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی فرماتے ہیں **''ان الروایات عن الصحابة ومن بعدھم فی شان نزولها مختلفة''** (امام الکلام ص ۱۱۰)

اس آیت کے شانِ نزول میں صحابہ کرام اور بعد والوں کی روایات مختلف ہیں۔ پھر انھوں نے تفصیل کے ساتھ ان مختلف روایات کو بیان کیا ہے جن کا حاصل مطلب یہ ہے کہ بعض کے نزدیک قرات خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ بعض کے نزدیک نماز میں کلام سے منع کے بارہ میں ہے۔ بعض کے نزدیک خطبہ میں انصات کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ تفصیل امام الکلام

Monthly MUHADDIS Lahore

صفحہ ۱۱۵ میں ملاحظہ کریں۔

جب اس آیت کی تفسیر میں اتنے ڈھیر سارے اقوال ہیں تو یہ معلوم نہیں کہ وہ کون سے جمھور ہیں جن کے نزدیک یہ آیت مسئلہ خلف الامام پر روشنی ڈالتی ہے۔ جبکہ صحیح یہی ہے کہ کسی ایک صحابی سے بسند صحیح مروی اور منقول نہیں کہ یہ آیت مقتدی کو امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے سے روکنے کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ موصوف نے جمھور کا نام بھی جھوٹا رعب جمانے کے لیے استعمال کیا ہے۔

عندالاحناف یہ آیت قابل عمل نہیں

احناف کے بعض محققین کے نزدیک یہ آیت قابل عمل نہیں۔ اس لیے کہ ان کے ہاں یہ آیت سورت مزمل کی آیت **فاقرء وا ما تیسر من القرآن** کے معارض ہے اور ان کا اصول ہے کہ جب دو آیتیں باہم معارض ہوں تو دونوں ہی (معاذ اللہ) ساقط ہوتی ہیں۔

ملاجیون فرماتے ہیں ”دو آیتیں جب باہم متعارض ہوں تو دونوں ساقط ہوں گی تو پھر لازمی ہے کہ عمل کے لیے سنت کی طرف رجوع کیا جائے اور یہ ممکن نہیں کہ کسی تیسری آیت کی طرف جایا جائے۔ اس لیے کہ وہ کثرت دلائل کی بناء پر ترجیح کی طرف پہنچاتی ہے۔ جس کی مثال **فاقرء وا ما تیسر من القرآن** ہے۔ جو **واذا قری القران فاستمعوا** کے معارض ہے۔ بلاشبہ پہلی آیت اپنے عموم کے لحاظ سے مقتدی پر قرات کو واجب کرتی ہے اور دوسری آیت اپنے خصوص کے اعتبار سے اس کی نفی کرتی ہے۔ (نورالانوار، ص ۱۹۷)

اور تقریباً یہی بات حافظ قاسم بن قطلوبغا نے کہی ہے۔ (تسہیل الوصول الی تخریج صلوٰۃ الرسول، ص: ۱۷۳)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آیت ہذا

پتہ نہیں کہ موصوف نے جمھور اہل اسلام سے مراد عام ائمہ اسلام لیے ہیں یا ان کے ذہن میں چند مخصوص افراد کا خاکہ جما ہوا ہے۔ جنھیں یہ جمھور اہلِ اسلام سمجھتے ہیں، اس لیے ہم ان سے یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ آپ جمھور اہلِ اسلام جن میں ائمہ محدثین اور ائمہ شافعیہ اور اکثر ائمہ حنابلہ بھی شامل ہیں اپنے موقف کے درست ہونے پر نص بیان کریں۔ ہاں ہمارا صرف اتنا سا مطالبہ ضرور ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہی بسند صحیح روایت بتادیں کہ انھوں نے اس آیت کریمہ سے فاتحہ خلف الامام کی نفی پر استدلال کیا ہو۔

ہمارے خیال میں حضرت الامام سے ایسی نص بیان کرنا عنقا کی دستیابی سے بھی مشکل ہے۔ امام صاحب سے تو یہ بھی ثابت نہیں کہ انھوں نے مقتدی کو امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے سے منع فرمایا ہو۔

موقف جمھور اہل اسلام

جمھور کا نام لے کر خود فریبی کا مظاہرہ کیا ہے ورنہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں

”فرای اکثر اھل العلم من اصحاب النبی والتابعین ومن بعدھم القراۃ خلف الامام وبہ یقول مالک بن انس وعبداللہ بن المبارک والشافعی و احمد و اسحاق وروی عن عبداللہ بن المبارک انہ قال انا اقرء خلف الامام والناس یقرؤن الاقوما من الکوفیین“ (ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، ص ۲۴۹، ج ۲)

صحابہ کرام تابعین اور ان کے جو بعد ہوئے ہیں اکثر اہل علم امام کے پیچھے قرات کو جائز سمجھتے ہیں۔ یہی امام مالک، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے اور عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا میں بھی امام کے پیچھے پڑھتا ہوں اور سوائے چند کوفیوں کے باقی لوگ بھی پڑھتے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے وکیل حنفیت کے مغالطہ یا کذب بیانی کو کتنے صاف الفاظ میں آشکارا کر دیا ہے کہ جمہور اہلِ اسلام تو امام کے پیچھے پڑھنے کے قائل و فاعل ہیں سوائے کوفیوں کی ایک جماعت کے۔

ظاہر ہے کوفیوں کی ایک قلیل قوم تو جملہ اہل اسلام کے مقابلہ میں جمہور کے لقب سے ملقب اور مشرف نہیں ہو سکتی۔ یقیناً جمھور اہل اسلام کا نام لے کر موصوف نے اپنے قارئین کو دھوکہ دیا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف

موصوف نے بحوالہ کتاب القراۃ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں ”امام کے پیچھے خاموشی اختیار کرو جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ خود پڑھنے سے امام کی قرات سننے سے آدمی رہ جاتا ہے اور امام کا پڑھنا ہی تمھارے لیے کافی ہے۔ (صفحہ ۵۰ بلفظہ)

ہم کہتے ہیں موصوف کے ”کیونکہ خود پڑھنے سے امام کی قرات سے آدمی رہ جاتا ہے“ الحاقی الفاظ ہیں جو ابن مسعود کے مذکورہ اثر میں موجود نہیں ہیں۔ موصوف نے ان الفاظ کو ترجمہ متن کے ساتھ اس طرح ضم کیا ہے کہ جس سے ان کے اصل ہونے کا شائبہ پڑتا ہے کیونکہ ترجمہ متن اور ان الفاظ میں امتیازی علامت قوسین ( ) نہیں ہے اور اس تسلسل کے ساتھ ان کو ذکر کیا ہے کہ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسے عمداً کیا ہے تاکہ قاری مغالطہ میں پڑ جائے اور ان الفاظ کو بھی جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان سمجھ لے۔ اگر عمداً ایسے کیا ہے تو یہ مجرمانہ تحریف ہے۔

پھر یہ کہاں کا فلسفہ ہے کہ دل میں پڑھنے والا جہری قرات سن نہیں سکتا۔ چونکہ موصوف تقلیدی خمار میں مدہوش ہیں اس لیے ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔

ابن مسعود کے اس اثر میں **انصت** کا لفظ ہے جو دل میں پڑھنے کے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ سابقہ سطور میں گزر چکا ہے۔ نیز امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”انما یقال انصت للقرآن لما یسمع منہ لا لما یسمع منہ“ (کتاب القراۃ، ح ۳۴۷، ص ۱۷۰)

انصت للقرآن اس وقت بولتے ہیں جو سنا جائے اور جو سنا نہ جائے تو اس وقت **انصت** نہیں بولتے۔ مطلو

ہوا کہ انصات کے لفظ سے مروی روایات احناف کے لیے مفید مطلب نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ان کے ہاں قرات جہری اور سری دونوں برابر ہیں اور امام بیہقی نے انصات کا جو معنی بیان کیا ہے وہ ہی معتبر ہے۔ جس کی تائید جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اثر سے ہوتی ہے کہ عبداللہ السری فرماتے ہیں:

"صلیت الی جنب عبداللہ بن مسعود خلف الامام فسمعته یقرأ فی الظهر والعصر" (بیہقی ص۱۶۹، ج۲)

میں نے عبداللہ بن مسعود کے پہلو میں امام کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے سنا وہ ظہر اور عصر میں پڑھتے تھے۔ اس اثر کی سند میں قاضی شریک ہے جو متکلم فیہ ہے۔ لیکن اس کے دیگر متابعات اور شواہد بھی ہیں۔ جس سے یہ روایت درجہ صحت یا حسن کو پہنچ جاتی ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو توضیح الکلام صفحہ ۴۴۱ ج ۱ طبع جدید میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس اثر سے واضح ہے کہ جناب ابن مسعود کے نزدیک انصات کا لفظ سری قرات میں مقتدی کی قرات کے منافی نہیں ہے اور پھر یہ اثر موصوف کے موقف کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے کہ ان کے ہاں مقتدی کسی صورت میں بھی امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہیں پڑھ سکتا۔

اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما

وکیل حنفیت صاحب فرماتے ہیں (کتاب القراۃ) میں حضرت ابن عباس سے امام کے پیچھے مقتدی کو فرض نمازوں میں قرات سے منع کیا گیا ہے۔ (صفحہ ۵۰ بلفظہ)

موصوف نے یہ اثر مفہوماً نقل کر دیا اور ماخذ کا کوئی صفحہ بھی نہیں دیا جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس اثر کی صحت مشکوک ہے جس کے باصفحہ نقل کرنے میں کوئی راز ہے۔ لہٰذا ہم اس اثر کے باحوالہ متن کے سامنے آنے تک اس پر بحث کو موخر کرتے ہیں۔ اگر وکیل حنفیت صاحب باسند پورا متن مہیا کریں گے تو ہم پھر اس پر بحث کریں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

موقف ابن عباس رضی اللہ عنہ

تاہم یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جناب ابن عباس امام کے پیچھے قرات کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ معروف اور ثقہ تابعی عیزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اقرأ خلف الامام جهرا ولم یجهر" (بیہقی ص۱۶۹، ج۱، المحلی ص۲۷۳، ج۳، کتاب القراۃ ص۹۶)

امام کے پیچھے پڑھو امام قرات جہری کرے یا جہری نہ کرے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں اس اثر کی سند صحیح ہے۔ جس پر کوئی غبار نہیں۔ (توضیح الکلام ص۴۶۱)

اقوال تابعین

آثارِ صحابہ کے ذکر کرنے کے بعد موصوف نے اپنے موقف کی تائید میں کتاب القراۃ کے حوالہ سے چند تابعین امام مجاہد، ابن جبیر، سعید بن مسیّب، حسن بصری اور زہری رحمہم اللہ اجمعین کے اقوال پیش کیے ہیں اور فرمایا ہے ان ائمہ کے اقوال میں بھی امام کے پیچھے مقتدی کو ہر قسم کی قرات کرنے سے روکا گیا ہے۔ لیکن غیر مقلدین کو یہ سارے بزرگ چبھتے ہیں شاید اس لیے ان مذکورہ بزرگوں کی باتیں سننے اور پھیلانے سے نفرت ہے۔ (ص۵۰)

ہم کہتے ہیں موصوف نے ان مذکورہ ائمہ تابعین کے اقوال کو بھی پردہ اخفاء میں رکھا ہے اس لیے کہ ان کو یقیناً قطعی علم ہوگا کہ ان ائمہ مذکورین کے اس مسئلہ میں بلکہ دیگر متعدد مسائل میں آثار اور اقوال حنفی اقوال کے خلاف ہیں۔ ان کو پردہ اخفاء میں رکھنے کا کوئی داعیہ ضرور ہے۔ تاہم ہم ان اقوال پر تحقیق کو مؤخر رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ نہ ان کی اسناد ذکر کی گئی ہیں اور نہ متن۔ تاہم ان مذکورہ ائمہ کے اس مسئلہ میں ہم اقوال پیش کرتے ہیں۔ جن سے موصوف کی صدق بیانی کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

۱۔ عبداللہ بن عثمان فرماتے ہیں میں نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کیا میں امام کے پیچھے پڑھوں۔ تو انھوں نے فرمایا ہاں۔ خواہ تو امام کی قرات بھی سن رہا ہو۔ (کتاب القراۃ ص۱۰۴) مولانا لکھنوی نے اس اثر کی صحت ذکر کی ہے۔ (امام الکلام ص۲۳۸)

۲۔ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ بھی امام کے پیچھے قرات کے قائل تھے۔ امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ:

"انه قال یقرأ الامام ومن خلفه فی الظهر والعصر بفاتحة الکتاب" (ابن ابی شیبہ ص۳۲۹، ج۱)

وہ فرماتے تھے امام قرات کرے اور مقتدی جو اس کے پیچھے ہے وہ بھی سورت فاتحہ پڑھے۔

۳۔ حسن بصری بھی فرماتے ہیں:

"اقرأ خلف الامام فی کل رکعة بفاتحة الکتاب فی نفسک" (ابن ابی شیبہ ص۳۲۷، ج۱، بیہقی ص۱۷۱، ج۲، کتاب القراۃ ص۱۰۴)

تم نماز کی ہر رکعت میں امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھا کرو۔

یہ ایک حنفی اصولی محقق کی تحقیق ہے۔ اب معلوم نہیں کہ موصوف ان کے بارہ میں کیا رویہ اپناتے ہیں۔

حدیث سے استدلال

میں سمجھتا ہوں کہ موصوف کی بڑی جسارت ہے کہ ایک دو نہیں بلکہ درجن سے زائد صحیح احادیث ہیں جو محققین کے نزدیک تواتر کا درجہ رکھتی ہیں جن میں فاتحہ خلف الامام کا بالصراحت حکم ہے، وہ موصوف کو دنیا بھر میں لکھی گئی حدیث کی کسی کتاب میں نظر نہیں آئیں۔ حالانکہ یہ احادیث مبارکہ حدیث کی عام اور متداول کتابوں میں موجود ہیں۔ جن کے رد کرنے میں تمھارے شیوخ الفقہ کی سب توانائیاں صرف ہو رہی ہیں، لیکن ان کا رد پھر بھی ممکن نہیں ہو رہا۔ سنیے جناب یہ احادیث حدیث کی جن کتابوں میں ہیں، ان کے اسماء یہ ہیں۔ صحاح ستہ، مسند شافعی، مسند احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان، السنن الکبری للبیہقی، دار قطنی، معاجم طبرانی، شرح معانی الاثار، المنتقی، المستدرک، مصنف

عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، صحیح ابی عوانہ، شرح السنۃ، جزء القرآۃ، خلق افعال العباد، کتاب القراۃ وغیرھم۔

یہ وہ کتب ہیں جو راقم الحروف کے پاس ہیں اور جو راقم کے پاس نہیں۔ اللہ معلوم وہ کتنی ہیں جن میں فاتحہ خلف الامام کی احادیث موجود ہیں۔ اگر موصوف کو یہ احادیث نظر نہیں آئیں تو ان کو اپنی بدنصیبی اور حرمان نعمت پر رونا چاہیے کہ عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے بجائے قال فلان وقال فلان کے اخذ و حمایت میں صرف کردی۔

مدعی بھی خود اور منصف بھی خود!

وکیل حنفیت فرماتے ہیں غیر مقلدین کی طرف سے ہر ایک کی زبان پر ”**لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**“ والی روایت گردش کرتی نظر آتی ہے۔ لیکن بے چارے اس روایت کی تفقہ سے یکسر محروم ہیں۔ ویسے بھی قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ولکن المنافقین لا یفقھون﴾

یعنی منافقین کے پاس فقہ نہیں ہوتی۔ (ص ۵۰)

ہم کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے لیے سعادت اور خوش نصیبی ہے کہ ہمیں سنت نبویہ سے بدل و جان پیار ہے۔ اس لیے ہم اس حدیث کو بھی محفوظ رکھے ہوئے ہیں اور اس پر عمل کر کے محظوظ بھی ہوتے ہیں اور صحیح حدیث کے بارہ میں سوقیانہ لہجہ (گردش کرتی نظر آتی ہے) نہیں اپناتے۔ باقی رہی یہ بات کہ اہل حدیث اس متواتر حدیث کے سمجھنے سے یکسر محروم ہیں تو یہ وکیل حنفیت کی اہلحدیث پر نہیں بلکہ صحابی رسول عبادہ رضی اللہ عنہ پر جو اس حدیث کے راوی ہیں، پر چوٹ ہے اور ان کی ذات جلیلہ پر طعن ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے کہ مقتدی کو بھی امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ پھر یہی نہیں بلکہ امام ترمذی کی تحقیق کے مطابق جمہور اہلِ اسلام نے بھی اس حدیث کا معنی یہی سمجھا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے فاتحہ کی قرات کرنی ہے اور بقول امام عبداللہ بن مبارک کے سوائے چند کوفیوں کے باقی تمام کا بھی یہی موقف ہے جو جناب عبادہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا ہے۔ گویا کہ موصوف کی زبان میں تمام وہ مسلمان جن میں مقلدین کی بھی اکثریت ہے جو امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھتے ہیں، وہ اس حدیث کے سمجھنے سے محروم ہیں اور منافق ہیں۔

۴۔ امام زہری کا عمل بھی سری قرات میں امام کے پیچھے پڑھنے کا تھا:

”**انہ کان یقرأ خلف الامام فیما لم یجھر فیہ الامام بالقراۃ**“ (کتاب القراۃ ص ۱۴۵)

یہ تابعین حضرات تھے جن کو موصوف نے بزعم خویش اپنے موقف کی تائید میں پیش کیا ہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ ان ائمہ کرام میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کا عمل اور فتویٰ موصوف کے مذہب کے موافق ہو۔

کیا یہ بزرگ چبھتے ہیں

موصوف نے اہل حدیث پر ایک بیہودہ اور لایعنی پھبتی کسی ہے کہ غیر مقلدین کو یہ سارے بزرگ چبھتے ہیں۔ ہم اگر چاہتے تو موصوف کو ان کے الفاظ واپس کر دیتے لیکن۔ لیکن ہم اسے خلاف مروت سمجھتے ہیں۔ البتہ اتنا عرض ضرور ہے جو حقیقت پر مبنی ہے کہ وہ مسائل جن میں احناف نے اہل حدیث سے اختلاف کیا ہے ان میں حنفی اقوال تقریباً سو فیصد احادیث صحیح کے خلاف ہیں۔

آثار صحابہ میں یہ مخالفت پچانوے فیصد سے کم نہیں اور یہی حال ائمہ تابعین عظام سے اختلاف کا ہے۔ جن کی صحابہ کرام سے طویل صحبت اور بالمشافہ روایات میں شاید ہی چند اقوال ان کے اقوال کے موافق ہوں، ورنہ جم غفیر اور انبوہ کثیر کے اقوال ان کے مخالف پڑتے ہیں۔ پھر وہ کون سے لوگ ہیں جنھوں نے جلیل القدر صحابہ حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت معاویہ، حضرت وائل بن حجر اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنھم کے بارہ میں ہرزہ سرائی کی اور ان کے بارہ میں گستاخانہ اور نفرت آمیز رویہ اپنایا ہے۔ بلکہ اپنے اس رویہ کو اپنے اصول کا جزء بنایا ہے؟

اہل حدیث کو چیلنج

وکیل حنفیت ظاہری ویدہ دھنی کے بعد چیلنج کی زبان میں فرماتے ہیں: رات ہو یا دن غیر مقلدین فقط یہی راگ الاپتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ امام کے پیچھے جو شخص سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ لیکن اپنے دعویٰ میں قرآن مجید و حدیث مبارکہ سے ایک بھی دلیل لانے سے قاصر ہیں۔ دنیا جہاں کی احادیث کی کتابوں میں کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول موجود ہو کہ امام کے پیچھے مقتدی بھی سورت فاتحہ پڑھے۔ اگر ہے تو **فاتوا بہ ان کنتم صادقین** (ص ۵۰)

موصوف کا یہ اقتباس اپنے ضمن میں بہت سی مضحکہ خیزیوں کو جمع کیے ہوئے ہے۔ لیکن ہم ان تمام کو صرف زد قلم کرتے ہیں۔ ہاں البتہ یہ واضح کر دیتے ہیں کہ موصوف حدیث کی کتابوں سے بالکل کورے اور لاعلم معلوم ہوتے ہیں۔

قرآن سے استدلال

ہم ملا جیون کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں کہ ان کو تسلیم ہے کہ آیت **فاقرء وا ما تیسر من القرآن** اپنے عموم کے لحاظ سے مقتدی پر بھی قرات کو واجب کرتی ہے۔

ہم ایسے بدحواس مضمون نگار سے حواس قابو میں رکھنے کے تقاضا کے ساتھ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ مسلمان جو اس حدیث پر عمل کرتے ہیں، انھوں نے تو اس حدیث کو سمجھ کر ہی اس پر عمل کیا ہے۔ وہ تو یقیناً اس مسئلہ میں حق پر ہیں۔ البتہ کوفیوں کی شرزمہ قلیلہ اس متفق علیہ حدیث پر عمل کرنے سے یقیناً محروم ہے۔

فقہ الحدیث

اصل حقیقت یہ ہے کہ فقہ الحدیث فقہاء محدثین کا ہی خاصہ ہے۔ جیسا کہ سنن ترمذی سے اظہر من الشمس ہے اہل الرائے مقلدین نے حدیث سے کون سا تفقہ کرنا تھا

جن کے پاس اپنے اقوال کی تائید میں ذخیرہ حدیث کا عشر عشیر بھی نہیں اور جو ہیں ان میں سے بھی اکثر کی صحت مشکوک ہے۔ اہل الرائے نے جن مسائل کو اپنی فاسد رائے سے اختلاف کی بھینٹ چڑھا دیا ہے' ان مسائل کی تائید میں منقول صحیح احادیث تو ان کا ساتھ نہیں دیتیں' بلکہ علی الاعلان مخالفت کرتی ہیں۔ ان صحیح احادیث کے بارہ میں ان کا مخالفانہ ردعمل ایک مجبوری ہے۔ آخر ان کے ایک بڑے نے تو فیصلہ دے دیا ہے کہ ''حدیث پر عمل کرنا گمراہی ہے۔''

لہٰذا امام کے قول کے مقابلہ میں حدیث کو ترک کرنا ہو گا اور عمل امام کے قول پر ہو گا۔ اس لیے کہ قرآن و حدیث پر عمل کرنا مقلدین کا وظیفہ نہیں بلکہ امام کا قول ہی حجت ہے۔ **فاما المقلد فمستنده قول مجتهده** کی راگ کوئی عامل بالسنہ تو نہیں الاپتا۔ یہ تو ان حضرات کا ہی شیوہ ہے جو امام کے قول کے مقابلہ میں کتاب و سنت کو درخود اعتناء نہیں سمجھتے۔ یہی زیر بحث حدیث لے لیں۔ موصوف اور ان کے طائفہ کے جوشیلے ارکان کا ان کے ساتھ کیا رویہ ہے کہ حدیث تو بلا تخصیص واضح کرتی ہے کہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔ موصوف جس تفقہ کو اپنے لیے سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں' وہ فقہ کہتی ہے اگر امام منفرد اور مقتدی تینوں میں سے کوئی ایک بھی سورت فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز درست ہے۔ اہل حدیث تو ایسی تفقہ کو تسلیم کرنے سے رہے' جس سے متفق علیہ حدیث کا صریحاً انکار لازم آتا ہے۔ ہاں البتہ جو صحیح احادیث ہیں' ان کا تفقہ تو اہل حدیث کو حاصل ہے۔ والحمدللہ علی ذلک۔

اس کی روشن دلیل یہ ہے کہ ان احادیث پر ہمارا عمل ہے جبکہ اہل الرائے نے کئی قسم کے حیلوں اور بہانوں سے انھیں رد کر دیا ہے۔ اس لیے کہ وہ صحیح احادیث ان کے اقوال کی مخالف ہیں۔ اس بناء پر وکیل حنفیت کی اہلحدیث کے بارہ میں ہرزہ سرائی ان کی مجبوری ہے۔

تفقہ اور احناف!

موصوف دراصل اپنی خودساختہ درایت اور تفقہ کی درانتی سے اس صحیح حدیث کے وجود کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ جس تفقہ کے موصوف مقلد ہیں' اس کی بنیاد رائے اور قیاس پر ہے' حدیث پر نہیں۔ جس سے واضح ہے کہ ان کو فقہ الحدیث میں عمل کے لیے کوئی دلچسپی نہیں۔ تمھارے مجتہدین فی المذاہب کے بارہ میں تو شاہ ولی اللہ نے یہ تجزیہ پیش فرمایا ہے کہ:

''من حفظ المبسوط كان مجتهدا اى وان لم يكن له علم بروايۃ اصلا ولا بحديث واحد'' (حجۃ اللہ ص ۱۵۲' ج ۱)

جس نے مبسوط یاد کر لی وہ مجتہد ہے' خواہ اسے اصلاً روایت یا ایک بھی حدیث کا علم نہ ہو۔

شاہ صاحب نے جو فرمایا وہ درست ہے۔ اس لیے کہ اہل الرائے کو کسی غیر جانبدار مورخ نے فقہ الحدیث کے دائرے میں شامل نہیں سمجھا کیونکہ ان کی فقہ کا مدار فقہ الحدیث پر نہیں بلکہ اپنے اصحاب کے اقوال کی تخریج پر ہے۔ اس کی وجہ حضرت شاہ صاحب نے یوں بیان فرمائی ہے کہ:

''لم يكن عندهم من الاحاديث والآثار ما يقدرون به على استنباط الفقه على الاصول التى اختارها اهل الحديث''

اور چند سطور کے بعد فرماتے ہیں

فمهدوا الفقه على قاعدة التخريج (حجۃ اللہ ص ۱۵۲' ج ۱)

ان کے پاس حدیث اور آثار نہیں تھے کہ جس وجہ سے وہ فقہ کے استباط پر ان اصولوں کے تحت قدرت رکھتے' جن کو ائمہ اہل حدیث نے پسند کیا ہے' تو انھوں نے اپنے فقہ کی بنیاد تخریج کے قاعدہ پر رکھی۔

تفقہ اور اہل حدیث

ہم نے سابقہ سطور میں بیان کیا ہے کہ فقہ الحدیث محدثین کرام کا ہی وظیفہ ہے اور ہم بحمداللہ ایسے تفقہ کے طالب ہیں جو ہمیں کتاب و سنت کے معانی و مطالب پر آگاہ کرتی ہے اور اس کا کسی بھی اہل حدیث کو انکار نہیں۔ البتہ علماء کے وہ اقوال جو کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کے خلاف ہیں' ہم ان کو فقہ کا درجہ نہیں دیتے کیونکہ وہ صاحب قول کی فقہ تو ہو سکتی ہے کتاب و سنت کی نہیں۔ ایسے اقوال کی حیثیت ہمارے ہاں قیل و قال سے زیادہ نہیں ہے اور یہ صرف ہمارا موقف نہیں بلکہ قاضی ابو یوسف' محمد اور زفر رحمہ اللہ علیہم نے بھی اسی موقف کو اپنا کر اپنے استاذ گرامی امام ابوحنیفہ کے ان اقوال کو رد کر دیا تھا جو ان کو کتاب و سنت کے متعارض اور منافی معلوم ہوتے تھے۔ ہمارے ہاں تفقہ کا یہ مفہوم نہیں کہ درایت کے نام سے ایک عام فہم الفاظ اور مطلب والی حدیث کا اس طرح معنی و مفہوم بیان کیا جائے جو اس کے ظاہر کے ہی خلاف ہو اور فاسد تاویل کر کے اصل حدیث کو ہی بگاڑ دیا جائے۔

صحیح حدیث کے ظاہری مفہوم جس میں تاویل کی ضرورت نہ ہو اس کے ظاہر پر عمل کرنے والوں کو منافق قرار دینا گویا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے لے کر موجودہ دور تک کے جتنے عاملین بالحدیث ہوئے ہیں ان سب پر موصوف نے فتویٰ بازی کی ہے۔ اس لیے کہ تمام صحابہ کرام سنت پر بلا تاویل عمل کرتے تھے۔ کوئی ایک صحابی اپنی مرضی سے تاویل نہیں کرتا بلکہ جیسے سنت کا علم ہوا' اس طرح اس پر عمل کر لیا۔ امام الہند شاہ صاحب صحابہ کرام کی اسی طرز عمل پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فكان يتوضأ فيرى الصحابة وضوء فياخذون به من غير ان يبين ان هذا ركن وذلك ادب وكان يصلى فيرون صلوته فيصلون كما راوه يصلى وحج فرمق الناس حجه ففعلوا كما فعل'' (حجۃ اللہ ص ۱۴۰' ج ۱)

صحابہ اکرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھتے تو بغیر کسی استفسار کے یہ رکن ہے یا ادب ہے۔ اسی

طرح وضو کرتے' آپ کو نماز پڑھتے دیکھتے تو اسی طرح نماز پڑھتے۔ آپ نے حج کیا تو لوگوں نے آپ کا حج دیکھا' جیسے آپ نے کیا تو لوگوں نے بھی اسی طرح کیا۔

لہٰذا واضح نصوص میں تاویل کرنا اور انھیں مطلب پسند بنانا صحابہ کرام کا شیوہ نہیں تھا۔ الحمدللہ صحابہ کرام کے اسی منہج کو اہل حدیث نے اپنایا ہے۔

یہ حدیث مجمل ہے......؟

وکیل حنفیت فرماتے ہیں اس روایت میں اجمال ہے اس کو سمجھنے کے لیے کسی دوسری حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کیونکہ اس روایت میں یہ معلوم نہیں ہو رہا کہ یہ حکم کس نمازی کے لیے ہے۔ (ص ۵۰)

مجمل کا حکم لگا کر اس صحیح حدیث کو رد کرنے کا ایک بہانہ ہے۔ ورنہ یہ حدیث مجمل نہیں بلکہ اپنے معنی اور حکم میں بالکل واضح ہے۔ متقدمین میں سے کسی نے بھی اس کو مجمل قرار نہیں دیا۔ یہ متاخرین کا چھوڑا ہوا شوشہ ہے۔ ورنہ اس حدیث کا ایک ایک جملہ لغات عربیہ کے تحت مفسر ہے جس کی تفسیر کی ضرورت نہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"والعمل علی هذا الحديث فی القراة خلف الامام عند اکثر اهل العلم من اصحاب النبی والتابعين وهو قول مالک بن انس وابن المبارک والشافعی واحمد و اسحاق يرون القراة خلف الامام" (ترمذی التحفہ ص ۲۴۲' ج ۲)

امام کے پیچھے قرات کرنے کے بارہ میں اکثر اہل علم صحابہ کرام اور تابعین کا اسی پر عمل ہے اور یہی امام مالک ابن مبارک' شافعی' احمد اور اسحاق کا قول ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرات کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

گویا کہ اکثر صحابہ کرام' تابعین عظام اور ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث کو مجمل نہیں قرار دیا بلکہ مفسر سمجھ کر اسے امام کے پیچھے قرات کرنے کی دلیل اور نص قرار دیا ہے۔

اس کی مزید وضاحت امام ترمذی نے اس سے آگے آنی والی حدیث میں کی ہے۔ فرماتے ہیں "اہل علم میں سے ایک قوم نے امام کے پیچھے فاتحہ کی قرات ترک کرنے کے بارہ میں سختی کی ہے۔ فرماتے ہیں سورت فاتحہ کے بغیر نماز کفایت نہیں کرتی۔ نمازی خواہ اکیلا ہو یا امام کے پیچھے ہو ان کی دلیل عبادہ بن صامت کے طریق سے مروی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی (زیر بحث) حدیث ہے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرات کرتے تھے اور وہ اسی حدیث کی تاویل (تفسیر) کرتے تھے کہ فاتحہ کی قرات کے بغیر نماز نہیں۔" (ترمذی مع التحفہ ص ۲۵۰' ج ۲)

عبادہ رضی اللہ عنہ کا امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ وہ اس حدیث کو مجمل نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسے مفسر جان کر اس کے حکم میں مقتدی کو بھی شامل سمجھتے تھے۔ یہ حدیث کے راوی ہیں اور متفقہ اصول ہے کہ حدیث کا راوی اپنی روایت کے مفہوم کو زیادہ جانتا ہے۔ جب عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مجمل نہیں سمجھا تو اس کو مجمل کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور ائمہ اسلام سمیت شارحین حدیث نے بھی اسے عام سمجھا ہے۔ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۸۸ھ) جو ثقہ ثبت اور فقہ الحدیث میں امام ہیں' وہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"وهذا عموم لا يجوز تخصيصه الا بدليل" (معالم السنن ص ۳۸۹' ج ۱)

"یہ حدیث عام ہے اس کی تخصیص دلیل کے بغیر جائز نہیں۔" اور کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کی تخصیص کرتی ہو۔

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

"ان قول رسول الله ﷺ لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب عام لا يخصه شیء لان رسول الله ﷺ لم يخص بقوله ذلک مصليا من مصل" (التمہید ص ۱۱۲/۳۸)

عبادہ کی مذکورہ حدیث عام ہے اس کو کسی شئی نے خاص نہیں کیا۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس حدیث میں کسی ایک نمازی کو خاص نہیں کیا۔

شارح بخاری علامہ کرمانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"وفی الحديث دليل علی ان قراة الفاتحة واجبة علی الامام والماموم فی الصلوٰة كلها" (شرح بخاری ص ۱۲۴' ج ۵)

اس حدیث میں دلیل ہے کہ سورت فاتحہ کی قرات تمام نمازوں میں امام اور مقتدی پر واجب ہے۔ علامہ عینی حنفی رقمطراز ہیں:

"استدل بهذا الحديث عبدالله بن المبارک والاوزاعی ومالک والشافعی واحمد واسحاق وابوثور وداود علی وجوب قراة الفاتحة خلف الامام فی جميع الصلوٰت" (عمدۃ القاری ص ۱۰' ج ۶)

اس حدیث سے امام عبداللہ بن مبارک' اوزاعی' مالک' شافعی' احمد' اسحاق' ابوثور اور داؤد رحمھم اللہ اجمعین نے تمام نمازوں میں امام کے پیچھے سورت فاتحہ کی قرات کو واجب کہا ہے۔ اس پر بہت سے اور بھی حوالہ جات ہیں۔ اگر ان تمام کو ذکر کیا جائے تو بحث لمبی ہو جاتی ہے جو تمام کے تمام ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ ائمہ متقدمین اس حدیث کو مجمل نہیں بلکہ مفسر اور مشرح جانتے تھے۔

نمازی کی حالتیں

موصوف لکھتے ہیں نمازی کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ امام' مقتدی' منفرد۔ ان تینوں کے احکام الگ الگ ہیں اور حکم بھی مختلف ہے۔ مثلاً امام سے خطا ہو سجدہ سہو امام کے ساتھ مقتدیوں کو بھی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن مقتدی کی خطاء سے امام پر سجدہ لازم نہیں۔ معلوم ہوا کہ احکامات کی تبدیلی کے لیے حالتیں مختلف ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کو عام سمجھنا صحیح نہ ہوگا۔ (ص ۵۱)

بلاشبہ نمازی کی تین حالتیں ہیں اور تینوں حالتوں

بہت سے احکام مشترکہ بھی ہیں۔ من جملہ ان مشترکہ احکام میں سے سورت فاتحہ کی قرات بھی ہے جو ہر تین حالتوں میں ہر ایک نمازی پر واجب ہے۔ باقی رہی سجدہ سہو کی بات تو اس پر نص موجود ہے کہ مقتدی نے امام کی اقتداء کرنی ہے لیکن سورۃ فاتحہ کا حکم عام ہے اس لیے مقتدی پر بھی سورت فاتحہ کی قرات اسی طرح لازم ہے جیسا کہ امام اور منفرد پر ہے۔ تخصیص کی کوئی دلیل نہیں جیسا کہ امام ابن عبدالبر کے حوالہ سے ہم ذکر کر آئے ہیں اور مقتدی کے لیے فاتحہ کے واجب ہونے کے دلائل ہم آخر میں ذکر کریں گے۔ ان شاءاللہ۔

تفسیر اجمال

موصوف لکھتے ہیں اگر ایک روایت میں حکم کی وضاحت نہ ہو تو دوسری روایت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

ہمیں اتفاق ہے کہ اگر ایک روایت مجمل ہے تو اس کی تفسیر کے لیے دوسری روایت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ تاکہ معنی کی وضاحت ہو سکے۔ لیکن یہ حکم زیر بحث روایت پر منطبق نہیں ہوتا اس لیے کہ یہ روایت تو مجمل ہے ہی نہیں بلکہ بذات خود مفسر ہے جس میں دوٹوک حکم ہے کہ جو شخص بھی نمازی ہے اگر وہ سورت فاتحہ نہیں پڑھتا تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس متفق علیہ حدیث کے حکم کو سمجھنے کے لیے کسی دوسری روایت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس حدیث میں وارد الفاظ من اور لا اپنے عمومی معنی کے لیے خود مفسر ہیں اور اپنے حکم میں ہر قسم کے نمازی کو شامل کرتے ہیں۔

روایت جابر کی حقیقت

موصوف نے اس متفق علیہ حدیث کی تخصیص کے لیے روایت ”**من كان له امام فقراءة الامام له قراة**“ کا سہارا لیا ہے اور اسے بحوالہ موطا محمد پیش کیا ہے۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں: موصوف نے جن الفاظ کے ساتھ یہ روایت پیش کی ہے، وہ الفاظ بعینہٖ موطا محمد میں موجود نہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے یہ روایت اصل کتاب سے نقل نہیں کی بلکہ کہیں دوسری جگہ سے سرقہ کیا ہے۔

ثانیاً: مرفوعاً سے یہ روایت سخت ضعیف ہے قابل حجت نہیں اصل روایت موقوف تھی جسے امام ابوحنیفہ نے مرفوع بنا دیا ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں ”**لم يسنده عن ابى موسى بن ابى عائشه غير ابى حنيفة والحسن بن عمارة وهما ضعيفان**“ (دارقطنی ص۳۲۳، ج۱)

اس حدیث کو ابوموسیٰ بن ابی عائشہ سے صرف ابوحنیفہ اور احسن بن عمارہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

روایت کی تصحیح

وکیل حنفیت صاحب لکھتے ہیں علامہ عینی اور ابن الہمام نے نہایت ہی تفصیل سے شرط علی البخاری والمسلم روایت ہذا کی تصحیح کی ہے۔ (ص۵۱)

موصوف نے مسلم کو معرف باللام لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فن حدیث موصوف کا فن نہیں ورنہ مسلم صاحب الصحیح پر لام تعریف نہ ڈالتے۔ اس لیے کہ متفقہ امر ہے کہ امام مسلم کے نام پر لام تعریف نہیں ڈالا جاتا بلکہ بغیر لام تعریف کے مسلم لکھا جاتا ہے۔ رہی بات کہ عینی اور ابن ہمام نے اس ضعیف روایت کی علی شرط بخاری اور مسلم صحیح قرار دیا ہے، محدثانہ طرزِ عمل کے مطابق ناقابل فہم ہے۔ اس لیے کہ اس روایت کا مدار ابوحنیفہ اور حسن بن عمارہ پر ہے اور یہ دونوں حضرات محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ امام بخاری اور مسلم نے تو صراحتاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ضعیف کہا ہے۔ لہٰذا یہ روایت کسی طرح بھی اس سند کے ساتھ علی شرط الشیخین نہیں ہو سکتی۔

ہمارا موصوف سے مطالبہ ہے کہ وہ عینی اور ابن ہمام کی عبارات کی نشاندہی فرمائیں۔ جن میں انھوں نے اس روایت کو علی شرط الشیخین صحیح کہا ہو۔ ورنہ سمجھا جائے گا کہ موصوف نے افتراء اور کذب سے کام لیا ہے۔

ائمہ محدثین جو روایت کی صحت اور سقم پرکھنے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، انھوں نے اس روایت کو ضعیف اور ناقابل حجت قرار دیا ہے۔ اگر کسی حنفی امام نے اسے صحیح کہا ہے تو تعجب نہیں، کیونکہ تقلید تحقیق کی ضد ہے، جس میں تعصب کا غلبہ کارفرما ہوتا ہے۔ رہی محدثین کی بات تو ان کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر نے بھی اس روایت کو **من كل الطرق معلول** قرار دیا ہے۔ (تلخیص الحبیر ص۲۳۲، ج۱)

اگر اس روایت کی مکمل تحقیق مطلوب ہو تو راقم الحروف کی کتاب ”ضعیف اور موضوع روایات“ ملاحظہ فرمائیں۔ اس کی طبع ثانی میں پوری طرح تخریج اور تجریح موجود ہے۔

قراۃ فاتحہ کا محل

موصوف لکھتے ہیں کہ اس روایت میں صلوٰۃ کا لفظ ہے، جس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ پوری نماز میں کہیں بھی سورۃ فاتحہ پڑھ لیں تو نماز درست ہوگی، خواہ ایک ہی دفعہ کیوں نہ پڑھیں، خواہ رکوع، سجدہ وقعدہ وغیرہ میں ہی کیوں نہ پڑھ لیں۔ اس لیے کہ یہ تمام چیزیں بھی نماز میں داخل ہیں۔ لیکن اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ (ص۵۱)

اگر تمھاری اس تمہید کا کوئی بھی قائل نہیں تو اسے ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ممکن ہے کہ وضو کی ترتیب کا نظریہ نہ رکھنے والوں نے اب نماز کی کیفیت اور ترتیب میں کوئی اجتہاد کرنا ہو۔ موصوف کا اصل مدعا تو متفق علیہ حدیث کو مشکوک بنانا ہے۔ اس لیے انھیں کچھ بھی کرنا پڑے، وہ کر گزریں گے۔

ہر رکعت میں فاتحہ

وکیل حنفیت انکشاف فرماتے ہیں کہ ”اگر ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہوتا تو یہ حدیث اس طرح ہوتی:

”لا رکعة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب“

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت مجمل ہے اور کسی طرح سے بھی غیر مقلدین کی دلیل نہیں ہوسکتی۔

معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نمازِ نبوی کی کیفیت سے بھی نابلد ہیں۔ ورنہ قطعاً ایسا شگوفہ نہ چھوڑتے۔ یہ تو متفقہ امر ہے کہ سورت فاتحہ قرأت کا حصہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قرأت کا آغاز سورۃ فاتحہ سے کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

اور یہ قطعاً ثابت نہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز پڑھی ہو اور اس کی ہر رکعت میں قرأت کا آغاز سورت فاتحہ سے نہ کیا ہو۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کی ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔ موصوف ذرا قال فلان وقال فلان کی گرداب سے نکل کر حدیث رسول کا مطالعہ کریں تو انھیں معلوم ہو جائے گا۔ مسیئی الصلوٰۃ والی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو نماز کی تعلیم دی تھی، تو آپ نے فرمایا تھا:

((اذا قمت الی الصلوۃ فکبر ثم اقراء ما تیسر معک من القرآن)) اور اسی حدیث کے آخر میں ((ثم افعل ذلک فی صلاتک کلھا)) کے الفاظ ہیں۔

امام نودی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

”فیہ وجوب القراۃ فی الرکعات کلھا“ (شرح مسلم لنووی)

اس حدیث میں ہے کہ قرات تمام رکعتوں میں واجب ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے:

”ثم اقراء بام القرآن ثم اقرأ بما شئت وفی آخرہ. ثم اصنع ذلک فی کل رکعة“ (صحیح ابن حبان ص ۱۳۹، ج ۴۔ مسند احمد ص ۳۴۰، ج ۴)

اس حدیث نے واضح کر دیا ہے کہ فاتحہ کی قرأت ہر ایک رکعت میں ہے۔

فہم صحابہ رضی اللہ عنھم

وکیل حنفیت گویا ہیں کہ صحابہ کرام نے اس حدیث کے مفہوم کو جتنا سمجھا ہے، اتنی وسعت اور قابلیت ہم میں نہیں۔ لہٰذا اس حدیث کا فیصلہ صحابہ کرام سے ہی کیوں نہ کروا لیں۔ (ص ۵۱ بلفظہٖ)

ہمیں موصوف کے قول پر صاد ہے کہ بلاشبہ صحابہ کرام کا فہم متأخرین کے فہم سے من وجوہ اولیٰ اور افضل ہے۔ بلکہ اس کے قائل ہی اہل حدیث ہیں اس لیے کہ اہلحدیث نے صحابہ کرام کو فقیہ اور غیر فقیہ کے ترازو میں نہیں تولا جبکہ تم نے بعض جلیل القدر اور نامور صحابہ کرام کو غیر فقیہ کہہ کر ان سے صحیح سند سے مروی احادیث کو رد کیا ہے۔ ان احادیث کے رد کرنے کی تمھارے ہاں یہ وجہ تھی کہ ان صحابہ کرام میں فقاہت نہ تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مولانا سرفراز فرماتے ہیں فہم صحابی حجت نہیں (احسن الکلام ص ۱۴۲، ج ۲)

رہی زیرِ بحث حدیث کی تفہیم تو ہم امام ترمذی کے قول سے ثابت کر آئے ہیں کہ اکثیر اہل علم صحابہ اس حدیث کی وجہ سے قرأت خلف الامام کے قائل تھے، جن میں اس حدیث کے راوی جناب عبادہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

فہم جابر رضی اللہ عنہ

موصوف لکھتے ہیں ایک صحابی سے اس حدیث کا حکم پوچھتے ہیں۔ جناب جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی مگر امام کے پیچھے۔ (صفحہ ۵۱ ملخصاً)

ہم کہتے ہیں یہ کسی مستند دلیل سے معلوم نہیں ہوسکا کہ جناب جابر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کا تعلق حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ یہ محض موصوف کی کذب بیانی کا کرشمہ ہے کہ انھوں نے اس اثر کو حدیث عبادہ سے جوڑا ہے۔ لہٰذا حدیث عبادہ کا مفہوم اس اثر سے متعین نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جب کہ راوی حدیث نے عملاً خود اپنی بیان کردہ حدیث کا مفہوم متعین کر دیا ہے کہ اس حدیث کے حکم میں مقتدی بھی شامل ہے۔ پھر اثر جابر موقوف ہے جو تمھارے اصول کے مطابق مرفوع حدیث کا معارض نہیں ہوسکتا۔ (فتح القدیر ج ۱، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲)

مولانا سرفراز لکھتے ہیں فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں۔ (احسن الکلام، ص ۱۴۲، ج ۲)

جناب جابر رضی اللہ عنہ ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے پڑھا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ ص ۶۱، وبیہقی ص ۱۷۰، ج ۲)

معلوم ہوا کہ وہ بھی تمھارے موقف کے قائل نہ تھے کیونکہ تمھارا موقف ہے مقتدی کسی حالت میں بھی امام کے پیچھے نہ پڑھے۔ (ص ۴۹)

گویا کہ کوئی ایک صحابی بھی اس حدیث کی تفسیر تمھارے موقف کے مطابق نہیں کرتا۔

امام احمد، ابن قدامہ، ابن تیمیہ

موصوف لکھتے ہیں: امام احمد فرماتے ہیں یہ حدیث مقتدی کے حق میں نہیں ہے بلکہ اس شخص کے حق میں ہے جو خود نماز پڑھ رہا ہو اور یہی کچھ ابن قدامہ اور ابن تیمیہ نے لکھا ہے۔ (ص ۵۱)

ہم کہتے ہیں یہ تینوں ائمہ کا موقف احناف کے موقف سے مختلف ہے۔ امام احمد تو قراۃ خلف الامام کے فاعل تھے، جس جگہ سے موصوف نے اپنے حق میں امام احمد کا موقف بیان کیا ہے، اسی جگہ میں موجود **اختار احمد مع ھذا القراءۃ خلف الامام ولا یترک الرجل بفاتحة الکتاب وان کان خلف الامام** (ترمذی مع التحفہ، ص ۲۵۲، ج ۲)

امام احمد نے حدیث کی تاویل کرنے کے باوجود امام کے پیچھے قرأت کرنی پسند کی ہے کہ آدمی سورۃ فاتحہ کو نہ چھوڑے، خواہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ جس سے واضح ہے کہ امام احمد اپنی تاویل پر مطمئن نہ تھے کہ یہ حدیث منفرد کے لیے ہے۔ ورنہ وہ خود امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کو پسند نہ فرماتے۔

امام ابن قدامہ اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیھم سری

نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنے کے قائل تھے۔ ملاحظہ ہو: (المغنی لابن قدامہ والفتاوی الکبری ابن تیمیہ)

موصوف خود معترف ہیں کہ صحابی کا فہم بعد والوں کے فہم سے افضل ہے تو پھر جناب عبادہ رضی اللہ عنہ کے فہم کے مقابلہ میں امام احمد کے فہم کو پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

کیا فاتحہ قرآن نہیں

موصوف نے اہل حدیث پر الزام لگاتے ہوئے لکھا ہے:

’’بعض جاہل غیر مقلدین اپنی ضد پر اٹکے ہوئے یوں کہہ دیتے ہیں کہ سورت فاتحہ قرآن تھوڑا ہے یہ تو دعا ہے اس لیے ہم اس کو نماز میں پڑھتے ہیں۔‘‘ (ص۵۱)

موصوف کذاب بھی ہے اور مفتری بھی' اس نے نہایت کذب بیانی سے کام لیا ہے۔ اس لیے کہ موصوف نے جو الزام لگایا ہے وہ کسی اہل حدیث کا نظریہ نہیں۔ موصوف کو یقیناً علم ہے کہ وہ خود جھوٹ بول رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وضاع اور مفتری نے اپنے اس مخترع قول کو کسی معروف عالم کی طرف منسوب نہیں کیا تاکہ اس کے جھوٹ کی قلعی نہ کھل جائے۔ اگر اس قول کی کوئی حقیقت ہوتی تو موصوف اسے باحوالہ پیش کرتے۔

جامع الشواہد کی تالیف سے لے کر آج تک ان کی اہل حدیث کے خلاف جتنی کتابیں معرض وجود میں آئی ہیں (اِلا ماشاء اللہ) ان میں عموماً اہل حدیث کی طرف باطل مسائل منسوب کرنے کی جولت پڑی ہے' وہ کیسے جائے۔ آخر موصوف بھی تو اسی پارٹی کے رکن ہیں۔

یہ نظریہ کس کا ہے

دراصل جو موصوف نے نظریہ اہل حدیث کی طرف منسوب کیا ہے' وہ کسی اہل حدیث کا تو نہیں۔ البتہ احناف کا یہ نظریہ ضرور ہے کہ سورت فاتحہ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ قرآن کی ایک سورت ہے اور دوسری حیثیت اس کی محض دعا کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ میں قرآن کی قرأت نہیں ہے۔ ہاں اگر اسے دعا سمجھ کر پڑھ لیا جائے تو جائز ہے۔

”**لیس فیھا قراۃ القرآن عندنا ...... وقال ...... ولو ترأ الفاتحۃ بنیۃ الثناء والدعاء جاز**“ (حلبی کبیر ص۵۸۶)

ہمارے نزدیک نمازِ جنازہ میں قرآن کی قرأت نہیں اور اگر کوئی سورت فاتحہ ثناء اور دعا کی نیت سے پڑھ لے تو جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ نظریہ خود احناف کا ہے' جسے موصوف نے زبردستی اہل حدیث کے نام تھوپ دیا ہے۔

واذا قرء فانصتوا

موصوف لکھتے ہیں: ابوموسیٰ اشعری نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام تکبیر کہے پس تم بھی کہو۔ جب امام قرأت شروع کرے تو تم خاموش ہو جاؤ اور امام ”**غیر المغضوب علیھم ولا الضالین**“ پڑھے تو تم آمین کہو۔ (مسلم ابن ماجہ صحیح ابی عوانہ)

یہ معلوم ہوا کہ فاتحہ امام کا حق ہے۔ جب وہ اس کو شروع کرے تو ہمیں خاموش ہونا چاہیے۔ (ص۵۲)

موصوف نے جس ترتیب کے ساتھ روایت کی ہے اور پھر مسلم شریف کا حوالہ دیا ہے' یہ ایک دھوکہ ہے۔ اس لیے کہ صحیح مسلم میں یہ الفاظ اس ترتیب کے ساتھ نہیں ہیں۔ امام مسلم نے جنابِ موسیٰ کی روایت پوری تفصیل کے ساتھ ذکر کی ہے۔ جس میں **واذا قرء فانصتوا** کا جملہ نہیں ہے۔ اس جملہ کو اصل حدیث سے الگ ذکر کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ جملہ سلیمان کی زیادتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”**عن سلیمان عن قتادۃ من الزیادۃ واذا قرء فانصتوا ولیس فی حدیث احد منھم**“ (مسلم ص۱۷۴' ج۱)

امام مسلم نے واضح کر دیا ہے کہ امام قتادہ کے جتنے شاگرد ہیں' ان میں سے کسی ایک نے یہ جملہ **واذا قرء فانصتوا** روایت نہیں کیا۔ صرف سلیمان نے یہ اضافی جملہ روایت کیا ہے۔ اسی وجہ سے ائمہ نقاد نے اس جملہ کو سلیمان کے تفرد کی وجہ سے شاذ قرار دیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے کہ یہ جملہ عام حفاظ کرام کی روایت پر زیادتی ہے۔ لہٰذا غیر محفوظ ہے۔ ان ائمہ کرام جنھوں نے اس جملہ پر شاذ کا حکم لگایا ہے' ان کا موقف دُرست ہے۔ اس لیے کہ قتادہ کے جن شاگردوں نے قتادہ سے **واذا قرء فانصتوا** جملہ کے بغیر روایت کی ہے وہ تعداد میں بھی بہت زیادہ ہیں اور سلیمان سے اوثق بھی ہیں جن میں ہشام استوائی' ہمام' سعید بن ابی عروبہ' معمر' ابوعوانہ' ابان' عدی اور حجاج بن حجاج ہیں۔ سلیمان اکیلے کی ان جمیع حفاظ کی مخالفت کوئی وزن نہیں رکھتی۔ یہی وجہ ہے کہ امام ناقد دارقطنی نے فرمایا:

”**واجماعھم یدل علی انہ وھم**“ (نصب الرایہ ص۱۶' ج۲)

ان تمام حفاظ کا اس جملہ کے روایت نہ کرنے پر اجماع دلالت کرتا ہے کہ یہ سلیمان کا وہم ہے۔

مدرک رکوع کی رکعت

وکیل حنفیت لکھتے ہیں: حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جب تم نماز کی طرف آ جاؤ اور ہم سجدہ کرنے والے ہوں تو تم سجدہ کرو اور اس کو کوئی چیز شمار نہ کرو' جس شخص نے رکوع پا لیا اس نے کامل رکعت کو پا لیا۔‘‘ (ابوداؤد)

یہاں رکعت کے معنی رکوع ہے۔ معلوم ہوا کہ جس شخص نے سورت فاتحہ نہ پڑھی ہو اور امام کے ساتھ رکوع میں مل جائے اس کی رکعت بھی کامل سمجھی جائے گی۔ سوچنے کی بات ہے اگر سورت فاتحہ ہر رکعت میں امام کے پیچھے فرض یا واجب ہوتی تو کیا نبی اکرم رکوع میں ملنے والی رکعت کو شمار فرماتے۔ (ص۵۲)

اولاً: تو یہ روایت ضعیف ہے جو معرض استدلال کے لائق نہیں۔ اس کا راوی یحییٰ بن ابی سلیمان ضعیف غیر قوی منکر الحدیث ہے اور اس روایت میں منفرد ہے۔

(ضعیف اور موضوع روایات ص۲۶۳، طبع جدید)

ثانیاً: یہاں رکعت کا معنی رکوع بلا قرینہ ہے اور کسی لفظ کو اس کے معنی سے پھیرنے کے لیے قرینہ صارفہ کی ضرورت ہوتی ہے جو یہاں موجود نہیں۔ لہٰذا اس روایت میں رکعت بمعنی رکوع بلا دلیل ہے۔

ثالثاً: احناف کا اس روایت سے استدلال درست نہیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک قیام از روئے قرآن فرض ہے۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ص۳۳۹، ج۱)

اب اگر رکوع کی رکعت کو کامل رکعت سمجھا جائے تو اس سے قیام کا ترک لازم آئے گا۔ حالانکہ وہ نص قرآنی سے فرض ہے۔ جس سے نماز ہی باطل ٹھہرے گی اور تمھاری ایجاد کردہ تقسیم کا کیا بنے گا، کیا ایک ضعیف روایت سے قرآن کی نص کا ترک کرنا جائز ہے اور کیا از روئے حنفی اقوال فرض کے ترک سے نماز کامل ہو جائے گی؟ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہونے کی وجہ سے اس قوت میں نہیں کہ اس سے استدلال پیدا کر کے متواتر احادیث کو رد کیا جا سکے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز

وکیل حنفیت صاحب بحوالہ ابن ماجہ لکھتے ہیں: حضرت ابوبکر نے نماز شروع کی اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ ہوا تو حضور دو شخصوں کے سہارے مسجد کی صفوں کو چیرتے چلے گئے۔ حضرت ابوبکر پیچھے آ گئے۔ حضور نے مصلیٰ پر کھڑے ہو کر وہیں سے قرأت شروع کی جہاں حضرت ابوبکر پہنچ گئے اور پھر الحمد للہ سے ابتدا نہیں کی۔ (ص۵۲)

ہمیں اس اقتباس سے یقین ہو گیا ہے کہ یہ مضمون موصوف نے کہیں سے سرقہ کر کے حوالہ جات کی طرف مراجعت کیے بغیر لکھ دیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے لکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے آ گئے۔ حالانکہ اس روایت کے الفاظ ہیں:

”فذهب يستأخر فاوما اليه النبى ﷺ اى مكانك“

ابوبکر پیچھے ہٹنے لگے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ اسی طرح موصوف نے لکھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلیٰ پر کھڑے ہو کر قرأت شروع کی۔ یہ الفاظ بھی خود ساختہ ہیں۔ حدیث کے الفاظ میں ”**فجاء رسول الله ﷺ فجلس عن يمينه**“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ابوبکر کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔ پھر انھوں نے لکھا ہے الحمد للہ سے قرأت کی ابتداء نہیں کی۔ حدیث میں زبردست تحریف ہے۔ اس لیے کہ ابن ماجہ کی روایت میں جس کا موصوف نے حوالہ دیا ہے، اس میں قطعاً یہ الفاظ نہیں ہیں کہ آپ نے الحمد للہ سے ابتداء نہیں کی۔

ایک ہی حدیث میں اتنی تحریفات الامان والحفیظ۔ دراصل حدیث میں تحریف کر کے موصوف نے حنفیت کے دفاع کا فریضہ ادا کیا ہے۔ ورنہ دلائل صحیحہ سے تو دفاع ممکن نہیں۔

ثانیاً: یہ روایت ضعیف ہے جو قابل حجت نہیں۔ اس کا راوی ابواسحاق مختلط مدلس ہے اور یہ روایت معنعن ہے مدلس کی معنعن روایت قابل حجت نہیں ہوتی۔ پھر اس حدیث میں ابواسحاق کا اختلاط بالکل واضح ہے۔ اس لیے کہ کبھی تو انھوں نے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کی دائیں جانب بیٹھے۔

جیسا کہ اس زیر بحث روایت میں ہے اور کبھی کہتے ہیں ”**فجلس الى جنب ابى بكر عن يساره**“ (مسند احمد، ص۲۳۲، ج۱) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کی بائیں جانب بیٹھے۔ لہٰذا اس اضطراب کی وجہ سے بھی روایت قابل اعتماد نہ رہی۔

امام پر بھی فاتحہ کی قرأت نہیں

وکیل حنفیت کا اس روایت کو اپنے موقف میں پیش کرنا تعجب سے خالی نہیں۔ اس لیے کہ ان کا موقف ہے کہ امام کے لیے سورت فاتحہ کی قرأت واجب ہے۔ (ص۴۹)

تو اب دیکھنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز میں مقتدی تھے یا امام تھے؟ تو اس بارہ میں قطعاً دو آراء نہیں ہو سکتیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز میں امام تھے، جیسا کہ متفق علیہ احادیث میں کہ:

”فكان ابوبكر يصلى بصلوة رسول الله والناس يصلون بصلوة ابى بكر“ (بخاری ص۱۳۷، دار السلام مسلم ص۱۷۷، دار السلام)

ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے۔

موصوف نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الحمد یعنی سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔ لہٰذا یہ حدیث موصوف کے موقف کے مطابق نہ ہوئی یا اعلان کریں جیسا کہ حنفی اقوال کی اصلیت ہے کہ امام پر بھی سورۃ فاتحہ واجب نہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز میں بحیثیت امام کے تھے، مقتدی نہ تھے۔ یا پھر یہ کہیں کہ امام پر سورۃ فاتحہ واجب ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بھی موصوف کے قول کے مطابق درست نہ ہوئی۔

دراصل حنفی اقوال تضادات کا ہی تو مجموعہ ہیں۔ جس قدر اس فقہ شریف میں تضادات ہیں، وہ دوسری فقہوں میں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات ایک ایک مسئلہ میں دس دس متضاد اقوال ہیں۔ **لو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا**۔ بالکل حق اور سچ ہے۔

صحابہ کرام اور موقف احناف

وکیل حنفیت اپنے موقف کو مضبوط ثابت کرنے کے لیے فرماتے ہیں قرأت خلف الامام کے سلسلے میں حضرات صحابہ کرام کے بڑے سخت فتوے موجود ہیں۔ (ص۵۳)

ہم کہتے ہیں یہ موصوف کا تمام صحابہ پر الزام ہے کہ ان کا بھی وہی موقف تھا جو احناف کا ہے۔ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کسی ایک صحابی سے بھی بسند صحیح منقول نہیں کہ اس نے امام کے پیچھے سورت فاتحہ کی نفی میں وہی موقف اپنایا ہو جو

احناف کا ہے۔

مولانا لکھنوی فرماتے ہیں

"وما اعلم فی هذا الباب من الصحابة من صح عنه ما ذهب اليه الكوفيون من غير اختلاف عنه الا جابر بن عبدالله وحده انتهى ملخصاً وقد يقال عليه ان كون جابر ممن صح عنه ما ذهب اليه الكوفيون من غير اختلاف عنه مما ينكره رواية ابن ماجة عنه الدالة على القراة في السرية (امام الکلام ص۳۲)

مجھے معلوم نہیں کہ اس باب میں جو کوفیوں کا مذہب ہے، اس کے مطابق کسی صحابی سے بغیر اختلاف صحیح منقول ہو، سوائے جابر رضی اللہ عنہ اکیلے کے۔ تو اس کے جواب میں بھی کہا جائے گا اس کا ابن ماجہ کی روایت انکار کرتی ہے جو سری نماز میں قرأت کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ماجہ کی جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ بسند صحیح تفصیلاً گزر چکی ہے۔ جس سے واضح ہے کہ جناب جابر رضی اللہ عنہ کا بھی موقف وہ نہیں تھا جو احناف کا ہے۔

روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

موصوف بحوالہ طحاوی و جوہر النقی لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کاش کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے، اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔ (ص۵۳)

ہم کہتے ہیں یہ روایت ضعیف ہے، اس میں کئی علتیں ہیں جو اسے ناقابل حجت بناتی ہیں۔

اولاً: اس روایت کا مدار ابواسحاق پر ہے جو مدلس اور مختلط تھے۔

ثانیاً: ابواسحاق نے یہ روایت علقمہ سے روایت کی ہے اور ابواسحاق کا علقمہ سے سماع نہیں ہے، جس کا اعتراف خود ابواسحاق نے کیا ہے۔ (المعرفۃ ص۶۲۱، ج۱۔ و تعلیق بر تقریب التہذیب لحسان عبدالمنان، ص۱۶۸)

امام عجلی فرماتے ہیں:

لم يسمع ابو اسحاق من علقمة شيئا

(تاریخ الثقات ص۳۶۶) ابواسحاق نے علقمہ سے کچھ نہیں سنا۔

ثالثاً: ابواسحاق سے روایت کرنے والے خدیج بن معاویہ ہیں جن کے بارہ میں معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا سماع ابواسحاق سے قبل از اختلاط ہے یا بعد۔ ہاں جن حضرات نے ابواسحاق سے قبل از اختلاط سنا ہے۔ ان میں خدیج بن معاویہ کا نام نہیں ہے اور قاعدہ ہے کہ جب تک تصریح نہ ہو کہ سماع قبل از اختلاط ہے تو وہ روایت قابل قبول نہیں۔ یہ وہ موثر علتیں ہیں جن سے یہ روایت قابل حجت نہیں رہ جاتی اور پھر ہم سابقہ سطور میں بسند صحیح ثابت کر آئے ہیں کہ جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے، جس سے واضح ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی اس بارہ میں احناف کے موقف کے برخلاف تھے۔

اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ

موصوف نے بحوالہ طحاوی لکھا ہے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا میں امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں۔ تو انھوں نے فرمایا نہیں۔ (ص۵۳)

اس اثر کا مدار حماد بن سلمہ پر ہے۔ یہ ثقہ عابد تھے۔ لیکن آخر میں حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔ (تقریب ص۱۶۳)

یہ اثر اس اثر کے خلاف ہے جسے ہم بسند صحیح نقل کر آئے ہیں کہ جناب ابن عباس امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھتے تھے اور یہی صحیح ہے۔

اثر سعد رضی اللہ عنہ

موصوف نے بحوالہ جزء القراۃ و موطا محمد لکھا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں آگ کی چنگاری ڈال دی جائے۔ (ص۵۳)

موصوف نے جزء القراۃ کا حوالہ تو دے دیا ہے مگر اس اثر پر جو امام بخاری نے اسی جگہ حکم لگایا ہے اسے حذف کر دیا ہے تاکہ حقیقت معلوم نہ ہو جائے۔

امام بخاری فرماتے ہیں "**هذا مرسل وابن نجاد لا يعرف ولا سمى**" (جزء القراۃ ص۷)

یہ روایت مرسل ہے اور ابن نجاد غیر معروف ہے اور اس کا نام بھی مذکور نہیں۔ امام ابن عبدالبر اس روایت کے بارہ میں فرماتے ہیں:

"هذا حديث منقطع لا يصح (التعلیق الممجد ص۱۰۱)

فمنقطع لا يصح ولا نقله ثقة (التمہید ص۵۰، ج۱۱)

یہ حدیث منقطع ہے جو صحیح نہیں اور نہ ہی کسی ثقہ راوی نے اسے نقل کیا ہے۔

یہ کل دلائل تھے جو وکیل حنفیت نے حنفیت کے بچاؤ اور صحیح احادیث کے رد کرنے میں پیش کیے ہیں۔

قارئین کرام! آپ نے موصوف کے تمام دلائل کی حقیقت کو جان لیا ہے کہ ایک بھی دلیل ایسی نہیں جو احناف کے موقف کی تائید کرتی ہو۔ نہ کتاب اللہ سے، نہ سنت رسول سے اور نہ آثار صحابہ کرام سے۔ ان کا اس بارہ میں موقف تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ یہ صرف ہمارا تجزیہ نہیں بلکہ ترجمان حنفیہ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کی بھی یہی تحقیق ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"انه لم يرو في حديث مرفوع صحيح النهي عن قرأة الفاتحة خلف الامام وكل ما ذكر ومرفوعاً فيه اما لا اصل له واما لا يصح (التعلیق الممجد ص۱۰۱)

کسی حدیث صحیح مرفوع میں امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کی نفی اور ممانعت نہیں آئی۔ اس بارہ میں جتنی روایات ذکر کرتے ہیں یا تو وہ بالکل بے اصل ہیں، یا پھر وہ صحیح نہیں ہیں۔

اس مبنی بر حقیقت تجزیہ کے بعد تو وکیل حنفیت

کو اپنے گھر کے فیصل اور ثالث کے فیصلہ پر صاد کرتے ہوئے تسلیم کر لینا چاہیے کہ اس مسئلہ میں حنفی اقوال کے حق میں کوئی قابل حجت نص اور دلیل موجود نہیں ہے۔

امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کے دلائل

اس کے برعکس اہل حدیث کا موقف صحیح احادیث کی نصوص واضحہ سے مرصع ہے اور اس بارہ میں متواتر احادیث ہیں کہ مقتدی پر بھی سورت فاتحہ واجب ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

۱۔ حدیث عبادۃ رضی اللہ عنہ

((ان رسول اللہ ﷺ قال لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب)) (بخاری ص۱۰۴، ج۱۔ مسلم ص۱۶۹، ج۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی نماز نہیں جو سورت فاتحہ نہیں پڑھتا۔

اس متفق علیہ حدیث پر تفصیل سے بحث گزر چکی ہے کہ عمومی معنی کے لحاظ سے اس کے حکم میں امام مقتدی اور منفرد تمام شامل ہیں۔

۲۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من صلی صلوۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج ثلاثا غیر تمام فقیل لابی ھریرۃ انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بھا فی نفسک فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول قال اللہ تعالی قسمت الصلوۃ بینی و بین عبدی نصفین)) (مسلم ص۱۶۹، ج۱)

جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورت فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز ناقص ہے، کامل نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین بار فرمایا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں۔ تو انھوں نے فرمایا اپنے دل میں پڑھا کرو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یدلان علی فرضیۃ ام القرآن"

(کتاب الام ص۸۹، ج۱)

"یہ دونوں حدیثیں ام القرآن کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔

۳۔ حدیث عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ:

((کل صلوۃ لا یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب فھی خداج)) (ابن ماجہ ص۶۱)

"ہر نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے، ناقص ہے۔" (اس کی سند حسن ہے)

۴۔ عبادہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت:

جناب عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازِ فجر پڑھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت کی تو آپ پر قرأت بوجھل ہوئی۔ آپ نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا کہ شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو تو ہم نے کہا ہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بھا)) (ابوداؤد ص۱۱۹، ج۱۔ ترمذی ص۶۹، ج۱)

یہ حدیث دونوں کتابوں کے علاوہ ایک درجن بھر حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ ائمہ محدثین نے اس حدیث کو صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔ امام ترمذی اور دارقطنی نے حسن کہا ہے امام بیہقی نے صحیح الاسناد اور امام بخاری نے صحیح کہا ہے۔ (تہذیب السنن ص۳۹۰، ج۱) اور خطابی نے فرمایا ہے اس کی سند جید ہے اس میں کوئی طعن نہیں۔ (معالم السنن ص۳۹۰، ج۱)

۵۔ نافع بن محمود عن عبادہ کی روایت:

((صلی بنا رسول اللہ ﷺ لبعض الصلوۃ التی یجھر فیھا بالقراۃ فقال لا یقرأن احد منکم اذا جھرت الا بام القرآن)) (دارقطنی ص۳۱۹، ج۱۔ ابوداؤد ص۱۱۹، ج۱)

یہ حدیث بھی تقریباً دس سے زائد حدیث کی متداول کتابوں میں موجود ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں:

"ھذا اسناد حسن ورجالہ کلھم ثقات"

یہ سند حسن ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ امام بیہقی بھی فرماتے ہیں یہ سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (بیہقی ص۱۶۵، ج۲)

۶۔ عبادہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث:

((قال رسول اللہ ﷺ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب خلف الامام))

(کتاب القراۃ ص۷۰)

امام بیہقی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (ایضاً)

۷۔ عبادہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث:

((قال رسول اللہ ﷺ من صلی خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب))

علامہ ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد میں بحوال طبرانی روایت کیا ہے اور فرمایا ہے رجالہ موثقون۔ (مجز ص۱۱۱، ج۲) اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔

۸۔ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لعلکم تقرء ون والامام یقرأ قالو ا انا لنفعل قال لا الا ان یقرأ احدکم بفاتح الکتاب)) (بیہقی ص۱۶۶، ج۲۔ مسند احمد ص۲۳۶، ج۴)

شاید کہ تم امام کی قرأت کے ساتھ قرأ ت کرتے ہو تو ہم نے کہا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ فرمایا قرأت نہ کیا کرو مگر یہ کہ تمھارا ایک سورت فاتح پڑھے۔ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راو ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں اس کی سند جید ہے۔ (بیہ ص۱۶۶، ج۲) یہ حدیث بھی تقریباً دس کتب میں آئی ہے۔

۹۔ حدیث انس رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اتقرء ون فی صلوتکم والامام یقر فسکتوا فقالھا ثلاث مرات فقال قائل او قائلون ا لنفعل قال فلا تفعلوا ولیقرأ احدکم بفاتحۃ الکتا فی نفسہٖ)) (بیہقی ص۱۶۶، ج۲۔ کتاب القراۃ ص۷۷)

کیا تم اپنی نماز میں قرأت کرتے ہو جب امام قرأت کر رہا ہوتا ہے۔ صحابہ خاموش رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار پوچھا تو ہم نے کہا ہاں ہم پڑھتے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ پڑھا کرو۔ اور تمھارا ایک سورت فاتحہ اپنے دل میں پڑھا کرے۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں **رواتہ ثقات** (مجمع الزوائد ص ۱۱۰، ج ۱) اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

۱۰۔ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تجزی صلوة لا یقرأ فیها بفاتحة الکتاب قلت فان کنت خلف الامام فاخذ بیدی وقال اقرأ بها فی نفسک)) (صحیح ابن حبان ص ۱۳۹، ج ۴۔ ابن خزیمہ ص ۲۴۸، ج ۱)

وہ نماز جس میں سورت فاتحہ نہ پڑھی جائے کفایت نہیں کرتی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا خواہ میں امام کے پیچھے ہوں تو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اسے اپنے دل میں پڑھا کرو۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

ہم نے اس باب کے متعلقہ ذخیرہ احادیث میں سے یہ صرف دس احادیث پیش کی ہیں۔ جو سنداً صحیح ہیں اور قابل حجت ہیں اور اپنے باب میں ایک دوسری کی صریحاً مؤید ہیں جو صریحاً اعلان کرتی ہیں کہ مقتدی پر بھی سورت فاتحہ لازمی ہے۔ جیسا کہ امام پر ہے۔

اگر تقلیدی جمود اور بلا برہان مذہبی تعصب سے بالا ہو کر ان احادیث صحیح کو حرز جان بنایا جائے تو صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کے لیے بہت کافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وحدیث کو سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وما علینا الا البلاغ المبین

☆……☆……☆……☆……☆

بقیہ: مسائل قربانی

اس لئے ہمیں بھی چاہئے کہ ہم قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کریں اگر کوئی دوسرا کر دے تب بھی جائز ہے۔ ذبح سے پہلے چھری کو اچھی طرح تیز کر لیا جائے۔ جانور کے سامنے چھری تیز نہ کریں اور نہ ایک جانور کے سامنے دوسرے کو ذبح کریں۔ جانور کو قبلہ رخ لٹا کر مضبوطی سے پکڑا جائے اور جانور کی گردن کو جھٹکا دے کر توڑا نہ جائے، نہ ہی چھری کی نوک سے حرام مغز کاٹا جائے۔ شہ رگ اور آس پاس والے گوشت کو کاٹ کر خون بہنے دیں۔ اگر آپ گردن توڑ دیں گے یا حرام مغز کاٹ دیں گے تو سائنسی نقطہ نگاہ سے جانور فوراً ٹھنڈا ہو جائے گا اور خون جسم میں باقی رہے گا جو صحت انسانی کیلئے مضر ہے۔ ذبح کرنے والا اگر اپنی قربانی ذبح کر رہا ہے تو وہ یہ دعا پڑھے: **بسم اللہ اللهم تقبل منی ومن اهل بیتی بسم اللہ واللہ اکبر** اور ذبح کر دے۔ اگر وہ کسی دوسرے کی قربانی ذبح کر رہا ہے تو پھر مِنّی کی جگہ اس شخص کا نام لے اور **اهل بیتی** کی بجائے **اهله** کہے اور ذبح کرے۔

ضروری وضاحت

قربانی کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ اس کا عقیدہ توحید والا ہو جس میں شرک کی آمیزش وملاوٹ نہ ہو اس کا ہر عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو جس میں بدعت کی ملاوٹ نہ ہو اس کی کمائی حلال ہو حرام مال سے خرید کر یا چوری کا چارہ وغیرہ ڈال کر پالی ہوئی قربانی قبول نہیں ہوگی۔ وہ خود نمازی ہو کیونکہ تارک صلوٰۃ (بے نماز) شخص کا تو ایمان ہی مشکوک ہے۔ اس طرح وہ قربانی خالصۃ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کیلئے کرے نہ کہ لوگوں میں شہرت کیلئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وحدیث کے مطابق زندگیاں بسر کرنے کی توفیق فرمائے اور شرک وبدعت کی گندگیوں سے محفوظ ومامون رکھے آمین ثم آمین۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بے ثباتی زیست

رشحاتِ فکر:

شہید اسلام محمد خان نجیب شہید رحمۃ اللہ علیہ

دنیا کی بے ثباتی کا کون گواہ نہیں۔ زندگی کی بے وفائی کا کسے احساس نہیں۔ رنگ وبو کے اس جہاں میں کیسے کیسے ذیشان لوگ آئے۔ آب وگل کی اس کائنات میں کن کن باجبروت شخصیتوں نے جنم لیا، لیکن ان کی شعلہ بار آنکھیں، تنی ہوئی گردنیں اور ابھرے ہوئے سینوں کا نشان تک باقی نہ رہا۔ جس زمین پہ وہ تکبر سے چلتے تھے اس زمین کی مٹی انھیں نگل گئی اور اگر زندگی کی حقیقت یہی ہے تو پھر یہ چھینا جھپٹی، یہ نفسا نفسی اور مادہ پرستی کیوں، اور کس لیے؟

انسان یہ نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جو زندگی عطا کی ہے، وہ محض چند روزہ ہے۔ یہ زندگی عیش وعشرت کے لیے نہیں بلکہ ایک امتحان ہے۔ جس سے سب کو گزرنا ہے اور اس امتحان کے واسطے تیاری ناگزیر ہے کہ جس پہ اس کی ابدی زندگی کی بہتری یا ابتری کا انحصار ہے۔

مولانا محمد شمعون بلوچ حفظہ اللہ کو صدمہ

جماعت کے معروف عالم دین مولانا شمعون بلوچ مدرس جامعہ محمدیہ اوکاڑہ کے فرزند ارجمند محمد عثمان طویل علالت کے بعد پندرہ سال کی عمر میں ۱۰ دسمبر ۲۰۰۶ء کو رضائے الٰہی سے وفات پا گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جوان بیٹے کی موت مولانا کے لیے ایک بہت صدمے کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بیٹے کے درجات بلند فرمائے اور مولانا کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔

ادارہ جامعہ سلفیہ کے اساتذہ وطلباء مولانا کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور مرحوم کے لیے بلندی درجات اور لواحقین کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں۔